حیاتِ قادر

مؤلف

عبید اللہ دُرّانی

باب نمبر ۱۸

پَیام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

(اقبال)

"میں کون ہوں۔ کس لئے آیا اور کیا کر کے جانا ہے؟" یہ تین سوال ایسے ہیں جنہیں ہر اس فرد نے جو محض جانور نہ ہو، اس زندگی میں کسی نہ کسی موقع پر اپنے دل سے ضرور پوچھا ہو گا۔ اس کا جواب کون دے۔ دل ہی دے سکتا ہے۔ یا دل کو اگر خدا کا گھر یعنی حق کا مرکز بنالے تو پھر حق خود جواب دے سکتا ہے۔ یہ کسی عالم یا دانشمند کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر دل کی زبان اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ علم لدنی ہے اور اس کو سفید و سیاہ کا پابند کرنا بہت مشکل ہے۔ صرف اشارات اور کنایات کے ذریعہ سمجھ دار لوگوں کے لئے کچھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

حق جب زمان و مکان سے بہت ماورا ہے تو وہ خیال میں کیسے سما سکتا ہے۔ صرف حال میں اس کا احساس ہو سکتا ہے۔ یعنی اس حس کی مضبوطی کے باعث جب کوئی ماسوا کو فراموش کر کے اسی کا ہو جائے اور اس کا کرم بھی اس کے شاملِ حال ہو تب البتہ وہ اس کو پا سکتا ہے۔ آپ روشنی کو نہیں دیکھ سکتے مگر روشنی میں چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ حق کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر کسی ایسی شخصیت کو جس نے حق کو پالیا ہے سمجھنے کی کوشش کریں اور اس تک پہنچنے کی سعی فرمائیں تو پھر دل حق کو بھی سمجھ سکتا ہے اور حق کو اپنے اندر بھی سمالیتا ہے۔

اوراقِ بالا میں ایک ایسی شخصیت بابا قادر اولیا کی زندگی کے چند پہلوئوں پر ایک بے ربط یوں ہے کہ حق محیط ہے۔ جدھر سے جھانکو ایک نیا روپ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا تعین ناممکن ہے الاّ کسی مرد مومن کی ذات میں۔ اور کسی ذات میں رسائی بہت ہی دشوار

ہے۔ اپنے آپ تک تو رسائی ہو نہیں پاتی۔ صفات اپنی جگہ قابلِ تحسین ہوں مگر ذات ان سے ماورا ہے۔ صرف عشق کے ذریعہ دل میں یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ تو ہی تو ہے۔ اس سے آگے ذات کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اکثر سمجھدار لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ فقیر کا مقصد حیات کی اہے۔ اس کا ''مشن'' کیا ہوتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور ایک باطن سے۔ جہاں تک ظاہر کا تعلق ہے، یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ فقیر کا مقصدِ حیات ''شخصیت کی تعمیر'' ہے۔ ارتقائِ زندگی میں باطنی صلاحیتوں کو جلا دے کر ان کی نشو و نما کرنے میں مشیت کا ہاتھ بٹانا یہ فقیر کا کام ہے۔ خدا کے ہاتھ کوئی اور نہیں ہوتے۔ فقیر کے ہاتھ ہی خدا کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ خدا کی زبان کوئی اور نہیں ہوتی۔ آئینہ دار دل سے جو بات نکلتی ہے وہی مولائے کائنات کا حکم ہوتا ہے۔

تعمیر شخصیت کے لئے عملی اداروں نے، سماج نے، اخلاقی فلسفہ نے، مصلحین دین نے، مدبرین معاشرہ نے جو جو نصاب قائم کئے ہیں۔ اور جس طرزِ عمل کی شفارش کی ہے اسی پر نسلِ انسانی اپنے اونچ نیچ کو لئے ہوئے، اپنے فروغ اور نیست کو لئے ہوئے صدیوں چلتی رہی ہے۔ اس کی کہانی تو تاریخ کے صفحوں میں موجود ہے فقیر سمجھ کے ذریعہ دل تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ دل کے ذریعہ سمجھ تک بات کو پہنچاتا ہے۔ اور دل ہی کسی کے کردار میں کوئی انقلاب یا تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ محض ذہنی اعتبار سے کبھی بھی آپ کسی کو کسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ مگر جو بات ایک دفعہ دل میں سما جائے اس کی اسباب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے دماغ خود بخود ہزار حیلے یا صحیح اسباب ڈھونڈ لیتا ہے۔ فقیر محبت کی فضا میں دلوں کو اپناتا ہے، سختی سے نہیں، ڈرا کر نہیں بلکہ محبت سے وہ جو ہلکا سا اشارہ کرتا ہے وہی افراد کی زندگی کا نصب العین بن جاتا ہے اور کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے سے بڑے کثیف باطن، خود غرض اور ظالم لوگ بابا صاحب کے دربار میں پہنچنے کے بعد فرشتہ صفت اور خلق پر ایک احسان بن جاتے ہیں۔ تعمیر شخصیت یہی نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ تو سب کچھ عالم اسباب کی باتیں ہیں۔ ایک اور عالم بھی ہوتا ہے جو عالمِ امر کہلاتا ہے۔ جس میں روح اس طرح کارفرما ہوتی ہے جس طرح عالمِ اسباب میں نفس کارفرما ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، یہاں جو کچھ گزرتا ہے اس کا اصلی محرک اس دنیا کا پابند نہیں۔ بلکہ پہلے عالمِ مثال میں اس کے نقشے نظر آتے ہیں اور عالم اسباب میں آکر یہ ظاہری وجود اختیار کر لیتا ہے۔ آپ خود سوچئے یہ تاریخ کا لوٹ پھیر کسی فرد کی زندگی کی روش کیا اپنے ہاتھوں میں ہے۔ کیا یہ روش کسی فرد یا جماعت کے فیصلہ سے ہو سکتی ہے۔ اس بات کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ قسمت کیا چیز ہے، لوحِ محفوظ پر کیا لکھا ہے۔ یہ سب عالمِ امر کی

باتیں ہیں۔ فقیر جب کسی نظارہ میں ایک مینار کی طرح نمایاں ہوتا ہے تو مرکزِ امر بن جاتا ہے۔ اس کو صرف افراد ہی نہیں، اقوام ہی نہیں۔ بلکہ انسانیت کی تعمیر میں دخل ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری کا بوجھ اس کے کاندھوں پر ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں اکثر انس کا ذکر آتا ہے۔ وہاں جن کا بھی ذکر آتا ہے۔ کوئی مفسر بھی اس جن کے لفظ پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتا۔ صرف یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ یہ بھی خدا کی ایک مخلوق ہے۔ ان کا بھی ایک عالم ہے۔ فقراء کے یہاں یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح جمادات کا ایک عالم ہے، حیوانات اور انسانوں کا ایک عالم ہے۔ اسی طرح خالق نے اٹھارہ ہزار عالم کی تخلیق کی ہے۔ واللہ اعلم۔ فقراء کی کاوشوں کا میدان کتنے عالموں میں ہوتا ہے۔ کیا کیا ہوتا ہے۔ اور کس کس طرح ہوتا ہے کون بتائے۔

دوہہ

میری کٹیا شام براجے ٹپ ٹپ نیر بہائوں

جھوم جھوم کے گائوں من میں نین دیپ جلائوں

انگ انگ سے روم روم سے شام شام چلائوں

روتے گاتے گاتے گاتے میں پگلا بن جائوں

(رحمن بابا)

یوں ہی عمر گنوائیو بندے　　اپنا بھید نہ پایو بندے

چھوڑ دے دنیا کے دھندے　　اپنے گھر کو بسایو بندے

پستک پڑھ پڑھ جیون بیتا　　گورو سیس نوایو بندے

متھرا کے چکر بھی کاٹے　　کعبے بھی ہوا ایو بندے

دھرتی کے کونے کونے میں　　بھگتی ڈھنگ رچایو بندے

یوں ہی عمر گنوایو بندے

اپنا بھید نہ پایو بندے

چھوڑ دے دنیا کے دھندے

اپنے گھر کو بسایو بندے

شانتی شانتی سمرن کر کے　　من بے چین بنایو بندے

آنسوئوں کی مالا بھی جپ لی　　جیون روگ لگایو بندے

گھاٹے کے سودے میں پڑ کر　　من کی پونجی لٹایو بندے

یوں ہی عمر گنوایو بندے

اپنا بھید نہ پایو بندے

چھوڑ دے دنیا کے دھندے

اپنے گھر کو بسایو بندے

تن کا من سے میل ملا لے　　تن ہی من کا یایو بندے

یہ مسجد یہ مندر مٹھ ہے　　اس میں روپ سمایو بندے

اُتم شکستی ہے من تیرا　　قادر جی فرمایو بندے

یوں ہی عمر گنوایو بندے

اپنا بھید نہ پایو بندے

چھوڑ دے دنیا کے دھندے

اپنے گھر کو بسایو بندے

(رحمن بابا)

پِلا پِلا کہ یہی شور عام ہے ساقی
گرا گرا کر تجھے اذنِ عام ہے ساقی

یہ دور ایسا چلنے خاص و عام ہوں مدہوش
کہ اب تو رقص میں سارا نظام ہے ساقی

ہوئی ہے گردش مینا جو لطف جاناں سے
سرور و وَجد میں مٹی کا جام ہے ساقی

کمالِ شوق ہی لایا ہے دار پر آخر
اسیر زُلف کا یہ ہی مقام ہے ساقی

کہا ہے خون کے قطروں سے اشہد اللہ
ہوا جو دردِ زباں تیرا نام ہے ساقی

ٹپک رہا ہے لہو نوک ہر رگِ جاں سے
جنونِ شوق کی رنگیں شام ہے ساقی

ہر ایک تار رگِ جان ہے تجھ سے وابستہ
ہر ایک سانس درود و سلام ہے ساقی

(ولی الدین)

☆...☆...☆